ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلّہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

(پوسٹ ڈاک فیلوشپ، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد)

پروفیسر ڈاکٹر اسماعیل گوہر

ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

۸ اکتوبر ۲۰۰۵ کے زلزلے سے متعلق ادب میں شدتِ جذبات و احساسات

Dr. Muhammad Nasir Afridi*

Assistant Professor, Dept of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology, Peshawar.

(Post Doc Fellowship, International Islamic University Islamabad)

Prof. Dr. Ismail Gohar

Hazara University, Mansehra.

***Corresponding Author:**

The Intensity of Emotions and Feelings in the Literature Related to the Earthquake of October 8, 2005

The disastrous earthquake of October 8, 2005, has badly affected the areas of Hazara and Kashmir. In On Ki On, the history of humanity was turned upside down and the victims were badly affected by the historical tragedy. History has shown such a state of devastation and destruction, the example of which is not found before at the national level. The occurrence of this tragedy made possible the creation of earthquake literature in Urdu literature. Therefore, the creative impulse showed its effects in Urdu literature. In this way, we got to see such an upheaval of intense emotions and intense feelings, which was truly unprecedented. The poets and writers have presented a lot of literary illustrations, at the foot of which the bitter facts show their effect. In Urdu literature and the literature of local languages, distressed humanity and troubled life have shown their influence

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

which is hardly found anywhere in the literature. The reflection of the trials and tribulations of humanity along with soul-crushing became the religion of such diverse themes. Expressing the intensity of emotions was a natural process, but the amazing thing was that the poets and writers of Hazara created the literature. There is no superficiality or superficiality anywhere in it. It is as if the conscious penetration of optimism is the endowment of seismic speech, which is a precursor to the creation of great literature. The examples of panic and personal audacity, which are found here, are hardly to be found even during the outbreak of wars. In such a situation, the victims were left despondent and they had to face such a miserable environment and psychology that their example became like that of a lost traveler, who got lost from his caravan and got stuck in such trouble, which the world knows. In solitude, he should be brought to such a crossroads of life that there is no one to guide him and guide him. In such a case, the emotions and feelings of this person and his psyche can be easily found in the seismic literature. A tragedy and a tragedy that has taught man to face the situation in different ways and has forced artists to think outside of the ordinary has been confirmed by the arrival of this earthquake. Nature also supplies such calamities and tragedies for the creation of good literature, which gives the thinking mind and the working hand and the loin-clothed courage a chance to convince and prove themselves anew. The overall tragedy caused by the earthquake also has an aspect in this regard, which is an example of literature.

KEY WORDS: *Disastrous, Earthquake, Literature, Literary Illustrations, Tragedy, Miserable, Soul-Crushing, Calamities, Intensity.*

اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیتے ہوئے تسخیر کائنات کے جذبات سے سرفراز کیا ہے۔ اس جذبے کے زیر اثر انسان کے دنیا میں اپنی انفرادیت کو قائم رکھنے اور مسابقت حاصل کرنے کے لیے دن رات ایک کر رکھے ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بوجوہ انسان غم اور خوشی کا پیکر ہے۔ لہٰذا اسے دنیا میں خوشی کے مقابلے میں غم زیادہ ملتے ہیں۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ انسان کے جب کبھی بھی قانونِ خداوندی کی سرتابی کی ہے، تو اس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ناگہانی آفات اور مصائب کو س پر مسلط کیا۔ ایسی صورت میں اس کے پسندیدہ اور نیک بندوں پر اُس کی آزمائش آئی اور اس کے قرآن مجید میں واضح طور پر ایسے افراد کے لیے اعلان فرمایا:

> "اور البتہ ہم تمہیں آزمائیں گے، تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان کے مالوں
> کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوش خبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

ان کو کوئی مصیبت، تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"(۱)

انسان کے لیے کبھی ارضی و سماوی آفات کے درودنے تازیانے اور آزمائش کی صورت اختیار کی ہے اور کبھی اس کی ذاتی اغراض و مقاصد اور منفی رویے نے اس کے لیے مصائب کے دروا کیے ہیں۔ اس طرح وہ کبھی طوفانوں، زلزلوں، آتش زدگیوں، سونامیوں، وباؤں اور خود ساختہ مشینوں کی تباہ کاریوں کا شکار ہوتا ہے، تو کبھی نفسیاتی الجھنوں سے اپنی داخلی دنیا میں ہیجان انگیزی اور صحت کی خرابی و بربادی کا سامان کر بیٹھتا ہے۔

برق رفتار ترقی کی دوڑ میں انسان کے جذبہ مسابقت نے بھی بڑا کردار ادا کیا ہے، جس کے باعث فطرت متاثر ہوئی اور ناگہانی آفات کی رونمائی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ یہ آفات قدرتی طور پر وقوع پذیر ہوئی اور انسانی مداخلت کے نتیجے میں بھی برپا ہوئیں۔ اسی طرح انسانی اور فطری عوامل کا غیر متوازن امتزاج بھی اس کا محرک ثابت ہوا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق عالمی شماریاتی اداروں کی شائع کردہ رپورٹ کے مطابق روئے ارض میں سالانہ تقریباً ۳۵۰ سے زائد ناگہانی آفات سیلاب کے باعث آتی ہیں علاوہ ازیں سب سے زیادہ شرح اموات زلزلوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

زلزلوں کی آمد کے مختلف اسباب ہیں، جن کی مذہبی، جغرافیائی، سائنسی، معاشرتی، معاشی اور عمرانی توجہات الگ الگ ہیں۔ ان کی آمد اور اسباب کے ضمن میں انسان شبانہ روز مگن ہو کر کائنات کے اس سربستہ راز کو پانے اور اس کو سلجھانے کے درپے ہے۔ سائنس دان اپنی پیش گوئیوں کو اعتبار عطا کرنے کے لیے زمینی تہہ میں سراغ رسانی اور تسخیرِ کائنات میں مصروفِ کار ہے۔ زلزلے کے اچانک آنے اور لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دینے میں انسانیت کے لیے انتہائی کرب اور افسوس ناک سامان پوشیدہ ہے۔ انسانی حیات اپنی تمام تر توانائیوں اور مصروفیات سمیت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس کے انسانی ذہنوں پر اس قدر خطرناک اور کرب آمیز اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ کئی دہائیوں تک انسان اپنے پیاروں کے دکھ اور روگ کو لے کر ہر سال اشک فشاں رہتا ہے۔ ایسے بہت سے افراد جو ملبے کے ڈھیروں کے اندر دبے رہ جاتے ہیں، جن کی تجہیز و تکفین تو درکنار اُن کی لاشوں تک کو نہیں نکالا جا سکتا۔ علاوہ ازیں انسان کی پوری زندگی کی جمع پونجی اور مال و منال اس آفت کی نذر ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات اور المیوں کے دست برد کی نذر ہونے والے افراد کے لواحقین تمام عمر ماتم کناں رہتے ہیں۔ کبھی سیلاب کے بے رحم ریلے انسانوں کے جان و مال کو بہا کر لے جاتے ہیں۔ کبھی آتش فشاں پہاڑ پھٹ کر انسان کا بہت کچھ لاوے کی نذر کر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلّہ

دیتے ہیں اور اس کے گرد و پیش سمیت مجموعی آب و ہوا کو بری طرح متاثر کر جاتا ہے۔ کبھی وبائیں اس کے پیاروں سے اُسے اذیت ناک حالت میں جدا کر دیتی ہیں۔ کبھی طوفان کے بے رحم تھپیڑوں سے انسانیت سسکتی رہ جاتی ہے۔ اسی طرح کبھی تباہ خیز زلزلے ایسی بھرپور طاقت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ زمین کی بنیادیں ہلا کر روئے زمین پر موجود ہر چیز کو تہس نہس اور اتھل پتھل کر کے رکھ دیتے ہیں اور فلک بوس عمارتیں ملبے کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ ایسے میں متاثرہ علاقہ جات میں انسانیت بے یار و مددگار اور سسکتی رہ جاتی ہے۔

ایک ایسی ہی اذیت ناک صبح ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ کرب و ملال میں لپٹی ہوئی نمودار ہوئی کہ جب روزے کے عالم میں آٹھ بج کر باون منٹ (۸:۵۲) پر ایک تباہ خیز زلزلہ برپا ہوا، جس کے شدید جھٹکوں نے پورے ہزارہ ڈویژن اور کشمیر کے مختلف علاقہ جات میں قیامت صغریٰ برپا کر دی۔ ایسی صفِ ماتم ان علاقوں میں فلک نے پہلی بار دیکھی تھی کہ جب ہر طرف خوف و ہراس اور نفسا نفسی کا عالم تھا۔ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ قیامت جیسا شور و غل اور آہ و بکا مجموعی فضا میں ہیبت کا منظر دکھا رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زمین پاوں تلے سے بھاگ کھڑی ہوئی ہے۔ عمارتیں اس طرح زمین بوس ہو رہی تھیں، جس طرح خزاں رسیدگی کے باعث پتے جھڑ جھڑ کر ہوا کے دوش اُڑتے جاتے اور ڈھیروں کی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں۔ پہاڑ خوف ناک اور ہیبت خیز آواز سے لرزہ براندام تھے کہ چٹانیں چٹاخ چٹاخ کر کے گر رہی تھیں۔ ایسے میں ان کی زد میں آنے والی ہر شے خس و خاشاک میں بدل رہی تھی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد امتیاز رقم طراز ہیں:

> "۸ اکتوبر ۲۰۰۵ کی قیامت خیز صبح کون بھول سکتا ہے۔ آزاد کشمیر اور ہزارے کے علاقے اس بھونچال کی زد میں بری طرح آئے، ہزاروں موتیں ہوئیں اور ہزاروں بے گھر ہوئے۔ اس قیامت صغریٰ نے متاثرہ علاقوں کے لوگوں کو دربدر کر دیا۔ اس دربدری سے سسکتی ہوئی انسانیت اس اعصاب شکن کیفیت میں گنگ ہو کر رہ گئے۔ اس تباہ خیز زلزلے کو قیامت سے قبل قیامت کہا گیا، جو ہزارہ اور کشمیر کے لوگوں پر ٹوٹی۔"(۲)

یہ زلزلہ چند لمحوں میں ایک درد آمیز اور تلخ یادوں سے مملو ایسی داستان رقم کر گیا کہ شاید ہی تاریخ انہیں فراموش کر پائے۔ ایسے اَن مٹ نقوش جو اس کے متاثرین کی زندگیوں پر عملی طور پر ثبت ہوئے ان کا احاطہ کرنا واقعی دشوار ہے۔ ان کا دکھ درد اس وقت تازہ ہو جاتا ہے، جب کسی کی انفرادی موت واقع ہوتی ہے یا کوئی اجتماعی سانحہ ہوتا ہے یا کسی اور ذریعے سے صفِ ماتم بچھتی ہے۔ اپنے پیاروں سے بچھڑنے کی کوئی بات یاد آتی یا ان کی کوئی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44

نشانی سامنے آتی کو زلزلہ متاثرین آج بھی اس دکھ اور غم کو اسی طرح محسوس کرنے لگتے ہیں۔ انجینئر محمد زمان نے اس زلزلے کے وقوع پذیر ہونے اور انسانیت کے لیے سوہان روح ہونے کے بارے میں لکھا ہے:

"۸ اکتوبر ۲۰۰۵ (بروز ہفتہ، تین رمضان المبارک) کو آزاد کشمیر اور پاکستان کے دو شہروں مظفر آباد اور بالا کوٹ میں قیامت برپا ہوئی۔ ۷.۶ ریکٹر سکیل کے زلزلہ نے ان شہروں اور ان کے ارد گرد کئی سو کلو میٹر تک مکانوں اور پہاڑوں کو کھنڈر میں بدل دیا۔"[۳]

ان زلزلہ شدہ علاقوں میں کئی اہل قلم بھی تباہ ہوئے۔ کچھ ملبے تلے دب کر مر گئے اور کچھ مصیبت زدہ بے یارومددگار اور اپنا سب کچھ گھر بار وغیرہ آن کی آن میں کھو بیٹھے۔ یہ زلزلہ اس قدر شدید تھا کہ اس نے پہلے ہی جھٹکے میں سب کچھ تباہ و برباد کر دیا۔ متاثرہ علاقے پورے طرح صفحہ ہستی سے مٹے ہوئے معلوم ہونے لگے۔ کسی کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ پاوں اٹھا سکے۔ کسی کو اپنی جان بچانے کا یارانہ تھا۔ لمحہ بھر میں ہزاروں لوگ زمین میں زندہ دفن ہو گئے۔ ملبے کے ڈھیر اُن کے لیے قبریں ثابت ہوئے۔ ہر سو چیخ پکار تھی۔ کوئی کسی کی مدد کے لیے تیار نہ تھا کہ ہر کوئی مصیبت میں دہرا گرفتار تھا۔ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی ملبے تلے دفن ہو چکا تھا۔ امدادی سامان اور ملبے سے لاشوں اور زندوں کو نکالنے کے لیے ہتھیار وغیرہ تک موجود نہ تھے۔ اس قیامت نے ایک طرح سے نفسا نفسی کا عالم بھی دکھایا۔ عزیز و اقارب خوف کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انجینئر محمد زمان اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"زمین ہر تھوڑی دیر بعد جھٹکے سے دوچار ہوتی، جس سے بچ جانے والوں میں اور خوف پیدا ہو جاتا۔ سکولوں، ہسپتالوں، دفتروں اور گھروں کی چھتیں گرنے سے شاید ہی کوئی باہر آ سکا ہو اور ہزاروں بچے زندہ در گور ہو گئے۔"[۴]

زلزلہ ہوتے ہی پانی خشک ہو گئے تھے۔ سب لوگ روزے سے تھے، شام کے وقت روزہ افطار کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ نہ گھر بار، نہ پانی، نہ چھت اور رہی سہی کسر بارش نے نکال دی تھی۔ ذرائع موصلات کے معطل ہو جانے سے ملک سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ کس کو کسی کی کوئی خبر نہ تھی۔ بارش نے شدید سردی کی لہر پھیلا دی زندہ بچ جانے والے اس شدید سردی اور بے سروسامانی کے عالم میں کھلے آسمان تلے اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگ رہے تھے۔ دوسری جانب پانی، خوراک، چھت اور دیگر ضروریاتِ زندگی نے ان کے مسائل کو دو چند کر دیا تھا۔ لاکھوں بے گور و کفن لاشوں کو ڈھانپنے کے لیے کپڑا تک دستیاب نہ تھا۔ متاثرین مرنے والوں کی لاشوں کو چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکتے تھے۔ ایسے میں ان رشتہ داروں کو کیسے تنہا چھوڑا جا سکتا تھا، جو زندہ دفن تھے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

مائیں اپنے جگر گوشوں کی لاشیں سامنے رکھے روئے نہیں رہی تھیں بلکہ ان کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ ہر گھڑی زلزلے کے جھٹکے ان سے زندگیاں چھین رہے تھے۔ ایسی حالات میں سڑکیں ٹوٹ گئیں، بجلی کٹ گئی، نہ ٹیلی فون، نہ رابطہ اور نہ ذرائع آمدورفت نہ گاڑیاں۔ عجب کیفیت تھی، جو ناقابلِ بیان تھی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد امتیاز رقم طراز ہیں:

> "تین چار دن بعد دنیا اور ملک بھر سے امداد آتے دیکھ کر اس آفت زدہ قوم میں رتن بھر زندگی کی امید نظر آنے لگی۔ چند گھڑیاں پہلے کاروبارِ حیات جاری وساری تھا، لیکن اب مکمل طور پر تہس نہس ہو چکا تھا۔ کوئی ڈاکٹر مریض کی جان بچانے کے لیے جتن کر رہا تھا۔ لیکن اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ماں بچے کو دودھ نہ پلا سکی۔ کسی کو ایک لفظ کہنے کی مہلت نہ رہی کہ قیامت نے سب کو آن لیا۔ ان سب کو یہ بھی پوچھنے کا موقع نہ ملا کہ آخر ان کا قصور کیا ہے۔ اس قیامت سے بچ نکلنے والے بھی نہ بچ سکے۔"(۵)

زلزلہ زدگان کے لیے یہ قیامت چند لمحوں میں آئی اور ایسا کشت وخون کا کھیل کھیلا کہ ہر طرف صفِ ماتم بچھ گئی اور پہاڑ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے، بستیاں تباہ ہو گئیں، مکانات کھنڈر بن گئے۔ زلزلے کے بارے میں کسی کو یقین نہ تھا بلکہ قیامت کی افواہوں کا بازار گرم تھا۔ جس نے خوف وہراس کو چہار سو عالم برپا کر رکھا تھا۔ ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ سطح زمین کہ تہہ میں کسی بڑی طاقت نے ایٹم بم نصب کر رکھا تھا، جس کے پھٹنے اور تابکاری نے زلزلہ برپا کر دیا ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ پورا ملک تباہ وبرباد ہو چکا ہے۔ کسی نے اسے عذاب الٰہی کا نام دیا اور کسی نے اپنے گناہوں کی سزا کا نام دیا۔

بالاکوٹ کا شہر اور اس کے مضافات مکمل طور پر قبرستان اور کھنڈر بن گئے۔ اس علاقے میں دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید نے سکھوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جام شہادت نوش کیے۔ ان بزرگ ہستیوں کے مزارات دریائے کنہار کے کنارے ہیں، زلزلے کی دست بُرد کی نظر ہوئے۔ نہ کوئی مسجد بچی تھی، نہ کوئی سکول، نہ ہسپتال۔ سب کچھ ملیا میٹ ہو چکا تھا۔ پل بھر میں امیر غریب ہو چکے تھے۔ یہاں سب برابر تھے اور یقین رکھتے تھے کہ واقعی سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ وہ جیسے چاہے دے کر آزمائے اور جسے چاہے لے کر آزماتا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

ایسے پُر آشوب حالات میں کئی اہل قلم کی آنکھیں عشروں تک خون آشام رہیں اور ان کا قلم خون چکاں رہا۔ اس سے ملک کے دیگر اہل قلم بھی متاثر ہوئے۔ دبستانِ دہلی کے شعرا کی طرح ہزارہ کے شعرا کے ہاں بھی اس تباہی و بربادی پر داخلی کرب ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ملک کے دیگر شعرا اور اہل قلم نے بھی اس کرب کی شدت کو اپنے دل میں محسوس کیا اور اپنے اہل وطن کے زخموں پر مرہم پٹی کے لیے مقدور بھر اظہار کیا۔ اس طرح کئی اصحابِ ذوق میدان میں اترے، جنھوں نے اپنوں کے بچھڑنے اور تباہی کے احوال کو شعر و سخن کی نذر کیا۔ کئی اہل قلم نے عمارتوں کے زمین بوس ہونے اور گھروں کی تباہ حالی کے نوحے بیان کرتے ہوئے حیات شدگان کے صبر و تحمل اور استقلالِ مزاج کو داد دی۔ کسی نے خونِ دل کی روشنائی سے زلزلے کے متاثرین اور اس میں رونما ہونے والے چند واقعات کو ضبطِ تحریر میں لیا۔ کسی نے اپنے انداز میں اظہارِ ماتم کیا تو کوئی اور انداز میں نوحہ خواں ہوا۔ غرض ہر کسی قلم کار نے اس غم کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے مقدور بھر ردِ عمل کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں عبدالعزیز نے "ہمالیہ کے دامن میں صبح قیامت"، ڈاکٹر محمود جاہ نے "زلزلہ، زخم اور زندگی" مرزا شوکت راہی نے "درد میں ڈوبا ہے سارا جہاں" پروفیسر افتخار مغل نے "بھونچال" اور پروفیسر بشیر احمد سوز نے زلزلاتی شاعری پر مبنی کتاب "روتی ہیں ہوائیں" تالیف کیں ۔

ہزارہ کے شعرا نے اس قیامت صغریٰ کو خود سہا اور برداشت کیا تھا۔ لہٰذا ان کے ہاں اس کا شدید دکھ اور اس کا دل خراش اظہار ملتا ہے۔ ہزارہ میں ایبٹ آباد، مانسہرہ اور بالاکوٹ کے ساتھ مظفر آباد کے شعرا و ادبا نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کا اظہار بھی کیا۔ ہزارہ کے نامور شاعر آصف ثاقب نے اس شدید دکھ اور کرب کو انتہائی قریب سے دیکھا کیوں کہ متاثرہ علاقوں کے بالکل وسط میں اُن کی رہائش ہے۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر محمد امتیاز لکھتے ہیں:

> "آصف ثاقب کے ہاں میر جیسے لٹنے کے آثار ملتے ہیں۔ آصف ثاقب نے اس درد کو دل سے محسوس کیا۔ کیوں کہ وہ از خود اس قیامت سے متاثر ہوئے تھے۔ چناں چہ اُنھوں نے تباہ ہونے والے مختلف علاقوں کے احوال کو شاعری کا موضوع بنایا اور بالاکوٹ کی تباہی اور غارت گری کے نوحے بیان کیے۔ اس حوالے سے ان کے ہاں شہر آشوب کا رنگ پایا جاتا ہے۔"[۶]

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

زلزلے سے ہونے والی تباہی نے ثاقب کو مختلف حوالوں سے متاثر کیا۔ انہوں نے اس آفت میں دکھ بھی جھیلے اور شعر بھی کہے۔ اس حوالے سے ان کی نظمیں اور غزلیں ملک کے موقر جرائد میں اشاعت پذیر ہوتی رہیں۔ ان کا اس رنگ میں زیادہ تر کلام بیاض، لاہور میں شائع ہوا۔ ان کی دو نظمیں "بالاکوٹ" اور "جھٹکا" پروفیسر بشیر احمد سوز کی تالیف "روتی ہیں ہوائیں" میں شائع ہوئیں۔ ان گمبھیر موضوع کا ان کی شاعری پر گہرا موثر مرتب ہوا۔ یہ ان کی آپ بیتی اور جگ بیتی کہلانے کے لائق ہے۔ مظفر آباد کی تباہی کو انہوں نے ڈوب کر بیان کیا۔ کیوں کہ ان کے پورکھوں کا تعلق بھی اسی خطے سے ہے۔ یہاں کہ ان کے اجداد میں سے سلطان مظفر خان کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا۔ اور اب بھی ان کے خاندان کے کئی افراد مظفر آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ آصف ثاقب کی نظم "مظفر آباد" کے چند اشعار بطور مثال لائق داد ہیں:

مرے پرکھوں کا مسکن تیری مٹی　　　اسی سے تپش مرے لہو کو
مری تاریخ کی خوشبو ہے اس میں　　　مظفر نے کیا آباد تجھ کو
تیرے سینے میں دل اپنا بسایا　　　کیا اسلام کا جب بول بالا
فلک سے رونقیں اتری تھیں تجھ پر
زمانے میں مثالی ہو گیا تھا جو آئے لوگ تیرے دیکھنے کو
تجھے شہرِ نظر کہنے لگے تھے　　　تجھے کس کی نظر اب کھا گئی ہے
قیامت کا یہ کیا زلزلہ تھا　مکاں سب ملبہ ملبہ ہو گئے ہیں
مکینوں کے جنازے اٹھ رہے ہیں　　　فضا ٹکرا رہی ہے بام و در سے
بتائی جا رہی ہے سرخ آندھی　　　کہ طوفان بلا گزرا ہے سر سے
تیرا یہ حال ہے شہرِ مثالی　　　نظر سے ایسے بیگانہ پڑا ہے
کہ جیسے کوئی ویرانہ پڑا ہے (۷)

ثاقب کی زلزلہ کے متعلق نظمیں اس قدر شدت رکھتی ہیں کہ آنکھیں اشکبار کر دیتی ہیں۔ شدتِ جذبات و احساسات کی لوئیں ان کے زلزلاتی کلام کی جان ہیں۔ ان نظموں میں ان کا زلزلہ ڈکشن زبردست اثر انگیز ہے۔ نظم "بالاکوٹ" کا بند اس حوالے سے بطور مثال ملاحظہ کیجیے:

مرے اے شہر بالاکوٹ پیارے　　　تری میٹھی ہوا کے گھونٹ لے کر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

مرے دل میں محبت جاگتی ہے　　　شہیدوں کی ہے خوشبو تیرے اندر
مرے پندار میں بھی موجزن ہے　　　ترے دیوار و در کا فخر اس پر
زمانے میں نمایاں ہو گیا تھا　　　مرے یاروں نے اس کو شعر کر کے
کتابوں کا اجالا کر دیا تھا　　　غضب کا زلزلہ آیا کدھر سے
پڑے تھے ڈھیر ملبوں کے زمیں پر　　　مرے اے شہر بالا کوٹ پیارے
مجھے جھٹکے نے کیا جھٹکا دیا تھا　　　ہلا کے رکھ دیے بربادیوں نے
مکان و کوچہ و بازار ترے　　　غبار و گرد کا طوفان تھا ایسا
نظارہ شہر کا اندھا ہوا تھا　　　مری آنکھیں بھی اندھی ہو گئی تھیں (۸)

اس تباہ خیز زلزلے نے انسانی جذبات و احساسات کو اس قدر مہمیز کیا کہ ہر ہر لفظ اپنے اندر خون کی بوندیں اور آہ و بکا کی سسکیاں رکھے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ معیاری ادب ہمیشہ برے حالات اور ہیجانی دور کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس بحرانی دور میں ہزارہ کے مختلف شعرا مثلاً آصف ثاقب، سلطان سکون، احمد حسین مجاہد، واحد سراج، رستم نامی، امتیاز الحق امتیاز، ڈاکٹر شاکر اعوان، کرنل فضل اکبر کمال، وحید بسمل، ناصر بختیار اور سعید صاحب وغیرہ نے اپنا اپنا دل نکال کر رکھ دیا۔ اس کرب و ملال کے نوحے اُن کے زلزلاتی کلام میں جا بجا دیکھے اور محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ ان کی شاعری میں شعر کے جذباتی تاثرات کے باوصف سوئے ہوئے جذبات آج بھی بیدار ہو کر تطہیر کی راہ پاتے ہیں۔ روبینہ ترین کی بات اس ضمن میں صادق آتی ہے:

"تخلیقِ شعر انسانی جذبات کا لطیف ترین اظہار ہے۔ اور
اظہار و بیان کا اعلیٰ نمونہ ہے۔" (۹)

ہزارہ کے شعرا نے زلزلہ کی تباہی و بربادی کے نوحے رقم کیے، کیونکہ وہ اس کے چشم دید گواہ ہیں۔ انھوں نے اس کو عملی طور پر سہہ برت کر دیکھا ہے۔ ان کے جذبات و احساسات اپنے اندر آپ بیتی کے علاوہ جگ بیتی کا سامان رکھتے ہیں۔ اگر اس تباہ خیز زلزلے کی تاریخی دستاویزات ہمارے سامنے موجود نہ بھی ہوں۔ تو ہم ان شعرا کے کلام کو دیکھ کر پوری تاریخ اور جذبات و احساست کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہزارہ کے ان شعرا اور بالخصوص زلزلہ متاثرین کے دکھ درد کو ملکی سطح پر احمد ندیم قاسمی ایسے نابغہ روزگار شاعر اور ادیب نے بڑی شدت سے محسوس کیا اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے طور پر روزنامہ جنگ میں دو درد بھرے کالم لکھے، اس طرح

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلہ

شاعری میں بھی کچھ کیتھارسس کا سبب ہوا۔ اس کیتھارسس کی مثال اور کرب ناک واقعات ثاقب کی درج ذیل نظم "جھٹکا" کے اس بند میں بڑی شدت سے اب بھی محسوس کیا جاسکتا ہے:

ٹوٹے ہوئے گھر کے اندر شخص تلاشی کرنے والا
ڈھونڈ رہا تھا سونا چاندی اُس نے دیکھیں خون کی بوندیں
بستہ کے کونے سے گرتیں بستر پر اک پھول سا بچہ
گہری گہری نندیا اندر سانس کی ڈوری ٹوٹی ٹوٹی
اُس کے ہاتھ میں پانچ کا سکہ آنسو جیسا، موتی جیسا
چھونے پر جو چھن سے گرا تھا کانپ اٹھا وہ شخص تڑپ کر
اور اچانک جھٹکا آیا اس پر یہ افتاد ہوئی تھی
ادھر گھر تھا پورا ملبہ (۱۰)

زلزلہ کے متعلق لکھا گیا کلام اور شعری تماثیل میں جذبات و احساسات کی شدت کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر اور ادیب عام انسان کے مقابلے میں زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہزارہ کے شعرا و ادبا کے ہاں بالخصوص اور پاکستانی شعرا و ادبا کے ہاں بالعموم اس اذیت آمیز زلزلے پر تخلیق کردہ ادب اخبارات، رسائل اور کتب میں جابجا ملتا ہے، جس سے اس پورے منظر نامے کی عکس بندی ہوئی ہے، جو آج بھی ہمیں اسی درد میں مبتلا کر دیتی ہے۔ یہ درد اور کسک شدتِ احساس سے عبارت ہے۔ زلزلے کے اس دل خراش مناظر پر ملنے والے ادب کو دیکھنے سے بیسویں صدی عیسوی کے مغرب کے مشہور شاعر اور نقاد کا یہ قول کماحقہٗ صادق آتا ہے:

> "فن کی چابکدستی کا اس سے بڑا اعجاز اور کیا ہوگا کہ وہ پڑھنے والے کو اپنے اندر اس طرح محو کر دے اور استغراق کے اس لمحے شدید نوعیت کا سکون عطا کرے، جو تخلیقی فن پارے کا سب سے بڑا انعام ہوتا ہے۔"(۱۱)

تخلیقی فن پارے میں شدید جذبات و احساسات کو سمو کر پیش کرنا۔ قاری کے لیے شدید احساسات کا ایک طرح سے پرتو ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے اندر استغراق و سکون کی کیفیت تطہیر پذیری کا سامان کرتی ہے۔ اس ضمن میں پورا زلزلاتی کلام اپنے اندر فکر و فن کی ارفعیت کا سامان رکھتا ہے۔ زلزلے سے مملو تخلیقی ادب اپنے اندر شدتِ جذبات کے ساتھ اپنے اشکوں کو لفظوں کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ یوں آج ہمیں ایک ایسی تاریخی حقیقت کا سامنا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44

ماخذ تحقیقی مجلہ

کرنا پڑ رہا ہے کہ جس کے در پردہ ہزارہ اور کشمیر کے مختلف شہر، قصبے، گاؤں اور کریے ملبہ ملبہ دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی اوٹ سے متاثرین کی آہ و بکا آج بھی ہمارے شعور کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ ایسی ہی ہولناکی آج غزہ اور فلسطین میں دکھائی دیتی ہے، جہاں انسانیت کی پامالی کی خون آشام تاریخ رقم ہو رہی ہے۔

زلزلہ سے پھیلنے والی تباہی و بربادی سے پیدا شدہ سوز اور بربادی کی فضا قریب قریب ہر لکھاری کے ہاں ایک جیسی کیفیت ہی رکھتی ہے۔ شعرا و ادبا نے فنی محاسن اور ادبی خوبی سے کلام لیتے ہوئے متاثرہ مناظر کی حقیقی تصاویر پیش کرتے ہوئے ادب اور تاریخ کا حسین امتزاج بھی پیش کیا ہے۔ ایسے مرقعے ہمیں ادبی حسن کے ساتھ بحرانی دور کے ادب کی یاد دلاتے ہیں۔

غرض متاثرین زلزلہ کے لیے پہنچائی جانے والی غیر ملکی امداد، اس کی تقسیم، نو آبادیاتی نظام کے فروغ کی اپنی سی کوششیں، نیو بالاکوٹ شہر کی تعمیر کا خواب، ضروریات زندگی کی فراہمی، صحت اور تعلیم کی از سر نو بحالی، تعمیر نو کے امور کی انجام دہی، خوف اور مختلف قسم کے خوبیاز سے عوام کی ذہن خلاصی، متاثرین کے قلب و روح اور جان و جگر پر مرہم لگانے کی کیفیت، پیاروں کے دکھوں کو دل میں دفن کر کے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آنے کی سوچ اور نہ جانے کیا کیا معاملات زندگی اور جذبات و احساسات کی شدید حالتیں ہیں، جو ہم تک زلزلاتی ادب ہی کے ذریعے سے حقیقی معنوں میں پہنچ سکتی ہیں۔ ایسی تاریخ جو حقیقت کا روپ رکھتی ہو ادب ہی کے ذریعے سے ہم تک پہنچ پائی ہے۔ ورنہ تاریخ میں تو مؤرخ ساری توجہ حقائق پر نہیں دے پا اور اس کی کچھ پیشہ ورانہ اور سرکاری مجبوریاں اکثر و بیش تر زیادہ آڑے آجاتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ زلزلاتی ادب میں شدید جذبات اور شدتِ احساسات پوری آب و تاب سے دکھائی دیتے ہیں، تو یقیناً درست ہو گا۔ یوں شعرا و ادبا اس ادب کی تخلیقی پیش کش میں خود بھی روئے اور قاری کو بھی جی بھر کر رلایا۔ ہزارہ اور کشمیر کے شہر اور دیہاتوں کی تباہی و بربادی کی جو داستانیں زلزلاتی ادب میں سنائی گئی ہیں، اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ انہوں نے تباہ شدہ علاقہ جات کی حقیقی تصاویر اور متاثرین سے دلی وابستگی اور جذبے کا اظہار جس انداز میں اس ادب کی تخلیق کے دوران کیا ہے، وہ جذباتی کیفیت اس سانحے سے مختص ہے۔ ایسا جذباتی اظہار متاثرین کے لیے اس آڑے وقت میں ایک تسلی اور حوصلے کا سامان بھی کرتا ہے۔ ایسے آڑے وقت میں بھی شعرا و ادبا کے کلام و ادب میں شدتِ جذبات کے ساتھ رجائیت کا سامان رکھتا ہے، جو کسی بھی بڑے ادب کا خاصا ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مبنی بر حقیقت ہے کہ زلزلاتی ادب میں اعلیٰ ادب کے تخلیقی آثار ضرور ملتے ہیں۔ اس نے اردو ادب کو بہر طور متاثر کیا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue 3, (July to Sep 2023)
https://doi.org/10.47205/makhz.2023(4-III)urdu-44
ماخذ تحقیقی مجلّہ

حوالہ جات

۱۔ قرآن مجید، سورۃ البقرہ، آیات نمبر ۱۵۵تا۱۵۶

۲۔ ڈاکٹر محمد امتیاز، آصف ثاقب کی شاعری کا فکری وفنی مطالعہ، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۱

۳۔ انجینئر محمد زمان، آٹھواں آسمان، رضا پریس، لاہور، طبع اول ۲۰۰۶ء، ص ۳۰۵

۴۔ ایضاً، ص ۳۰۶

۵۔ ڈاکٹر محمد امتیاز، محولہ بالا، ص ۱۲۲

۶۔ ڈاکٹر محمد امتیاز، محولہ بالا، ص ۱۲۳

۷۔ آصف ثاقب، در کنار، محمود برادرز پرنٹنگ پریس، راول پنڈی، بار اول ۲۰۰۸، ص ۱۷۹

۸۔ پروفیسر بشیر احمد سوز، مرتب: روتی ہیں ہوائیں، حرف اکادمی، راول پنڈی، اپریل ۲۰۰۶، ص ۴۱

۹۔ روبینہ ترین، تحسینِ شعر، کاروانِ ادب، ملتان، بار اول، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸

۱۰۔ پروفیسر بشیر احمد سوز، محولہ بالا، ص ۴۲

۱۱۔ روبینہ ترین، محولہ بالا، ص ۱۲۰